شہریار

کنور اخلاق محمد خان نام، شہریار کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ 1936ء میں قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں پیدا ہوئے۔ ہردوئی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔ جہاں انہوں نے دسویں درجے سے لے کر ایم۔ اے تک کے تمام امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔

زمانہ طالب علمی میں کھیلوں سے بہت دلچسپی تھی۔ 1955ء سے شوق سخن ہوا اور اس دنیا میں قدم رکھتے ہی ادبی حلقوں میں شہرت حاصل کرلی۔ انجمن اُردوئے معلی کے سیکریٹری اور علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد کچھ دنوں انجمن ترقی اُردو (ہند) میں بحیثیت لٹریری اسسٹنٹ ... شعبۂ اُردو میں لیکچرار ہو گئے۔ 13 فروری 2012 کی شب علی گڑھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شہریار کے کلام کے مجموعے "اسم اعظم" "ساتواں در" "نیند کی کرچیاں" "خواب کا در بند ہے" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ شہریار میں شاعری کی فطری خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ نظم اور غزل دونوں میں اُن کا انداز سخن منفرد ہے۔ اگرچہ وہ جدیدیت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کلاسیکی روایات کا بھی احترام کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

شہر یار ۔ تشریح غزل نمبر 1

(1) غزل کے مطلع میں شاعر زخموں پر مرہم لگا کر دل کو خوش رکھنے کی خواہش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ پھر سے خوابوں کی دُنیا بسا لیں جہاں انسان کو کوئی غم نہیں ہوتا ہے بلکہ انسان جس طرح سے چاہتا ہے خوابوں میں اپنی مُرادیں پوری کر لیتا ہے۔

(2) شاعر لکھتا ہے کہ ایک مدت سے میں اس طرح زندگی گزارتا ہوں جیسے میں زندہ ہی نہیں ہوں۔ میرے اندر زندہ ہونے کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تڑپنا میری زندگی کا مقصد ہے لیکن ایک عرصے سے میرے دل میں کوئی تڑپ ہی نہیں ہے۔ اب شاعر محبوب کے ظلم و ستم کا طلب گار ہے تا کہ محبوب کے ظلم وستم سے عاشق تڑپ اُٹھے اور اُسے جینے کا احساس ہو جائے۔

(3) شاعر کہتا ہے کہ میں عشق کا مجرم ہوں لیکن میری فریاد میرے محبوب تک نہیں پہنچتی اب میں چاہتا ہوں کہ پُرانے طریقے کے مطابق مجھے عشق کے کٹہرے میں مجرم کی طرح پیش کیا جائے اور میں اپنی فریاد اپنے محبوب کے سامنے بیان کر سکوں۔

(4) اس شعر میں شاعر لکھتا ہے کہ دیوانوں پر اس قدر سخت پہرا بٹھایا گیا ہے کہ اب ہر طرف زنجیریں ہی زنجیریں نظر آتی ہیں ایسے حال میں دیوانوں کو آزاد کرنا ناممکن ہے۔ یعنی عشق کے جو دیوانے ہیں وہ اس قدر عشق میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ اُن کا اب اس حالت سے نکلنا ناممکن ہے۔

(5) غزل کے مقطع میں شاعر لکھتا ہے کہ اب دل کے بہلنے کی صرف ایک ہی صورت نظر آتی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ پُرانی باتوں کو یاد کر کے ہی گزارا کر لوں یعنی میں اپنے ماضی کی خوشیوں کو یاد کر کے ہی دل کو بہلا سکتا ہوں اس کے بغیر اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

تشریح غزل نمبر 2

(1) غزل کے مطلع میں شاعر زندگی کے بارے میں کہتا ہے کہ زندگی انسان کی توقع کے مطابق نہیں ہے۔ یعنی انسان جیسا سوچتا ہے زندگی میں ویسا نہیں ہوتا۔ یہاں ہر پل ہر لمحہ کسی نہ کسی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

(2) شاعر کہتا ہے کہ جو زندگی انسان بسر کرنا چاہتا ہے وہ زندگی صرف خوابوں ہی میں ممکن ہے۔ کیونکہ انسان کی خواہشیں اتنی ہیں کہ ہر ہر خواہش کا حقیقت میں پورا ہونا ناممکن ہے۔

(3) شاعر لکھتا ہے کہ زندگی میں جو لوگ انسان (اپنوں) سے بچھڑ جاتے ہیں اُن کے دوبارہ ملنے کی اُمید تو ہوتی ہے لیکن یقین نہیں ہوتا۔ یعنی بچھڑے لوگوں سے ملاقات ہوں تقریباً ناممکن ہے۔

(4) شاعر لکھتا ہے کہ یہ دُنیا بہت انوکھی ہے جدھر بھی ہم دیکھتے ہیں مختلف چیزیں مختلف تعداد میں ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ رب نے کسی کو ضرورت سے زیادہ دیا ہے اور کسی کو بہت ہی کم عطا کیا ہے۔

(5) غزل کے مقطع میں شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے محبوب پہلے بھی میری اُداسی کی وجہ تمہاری دوری تھی اور آج بھی میری اُداسی کی وجہ تمہاری دوری ہی ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میری اُداسی میں اُتنی شدت نہیں ہے جتنی کہ پہلے تھی وہ اس لئے کہ شاید مجھے تمہاری دوری کی اب عادت پڑ گئی ہے۔

سوالات:

سوال:۔ خوابوں کی دنیا آباد کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

جواب:۔ خوابوں کی دنیا آباد کرنے کے لئے ہمیں پُرانے زخم بھرنے ہونگے اس کے بعد ہی (مجھ) خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا جا سکتا ہیں۔

سوال:۔ دل بہلانے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ دل بہلانے کی ایک ہی صورت ہے (ہیں) کہ ہم گزری ہوئی باتوں کو پھر سے یاد کر لے۔

سوال:۔ غزل نمبر دو کے آخری شعر کو پڑھ بتائے کہ شاعر کی اُداسی کا سبب کیا ہے؟

جواب:۔ شاعر کی اُداسی کا سبب محبوب کی جدائی اور دوری ہے۔

سوال:۔ درج ذیل لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجئے۔

(1) احساس :۔ مجھے آپ کی بے بسی کا احساس ہے۔

(2) تصور :۔ ہمیں تصور نہیں تھا کہ وہ پاس ہوگا۔

(3) یقین :۔ ہمیں یقین ہیں کہ ہم آخرت میں ملے گے۔

(4) تقاضا :۔ حامد مجھ سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا۔

(5) مجرم :۔ جرم کرنے والے کو مجرم کہتے ہیں۔

1

شعر ۱: باطن کی آنکھ سے جو کبھی دیکھتا ہوں میں — لگتا ہے جیسے خود سے بھی نا آشنا ہوں میں

تشریح: جب میں اپنے آپ کا احتساب کرتا ہوں تو مجھے اتنی خامیاں نظر آتی ہیں جس کا میں اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔

شعر ۲: اس در سے خالی ہاتھ ہی پلٹا ہے ہر کوئی — دست سوال لے کے کہاں آگیا ہوں میں

تشریح: میں کیوں اس دُنیا میں ہر چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں جبکہ اس دُنیا سے ہر ایک خالی ہاتھ لوٹ آیا ہے۔

شعر ۳: مجھ کو ہوا اُڑا کے جدھر چاہے لے چلے — پتا ہوں اور شاخ سے ٹوٹا ہوا ہوں میں

تشریح: میرا جو سہارا تھا وہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے اب تو میں اُس ٹوٹے پتے جیسا ہوں جو ہوا کے رحم و کرم پر ہے۔

شعر ۴: مجھ سا بھی سادہ لوح زمانے میں ہے کوئی — اپنی تباہیوں پہ بھی خوش ہو رہا ہوں میں

تشریح: دُنیا میں میرے جیسا بھولا آدمی کون ہو گا جو اپنی ہی تباہی پر خوش ہوتا ہو۔

شعر ۵: ہے ٹھیک یا غلط مرا اندازِ گفتگو — عابدؔ جو کہنا تھا مجھے وہ کہہ گیا ہوں میں

تشریح: میرے کہنے کا انداز چاہے صحیح تھا یا غلط لیکن میں نے تو اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

2

شعر ۱: میرے آنگن سے کبھی ہو کے نہ گزرا سورج — راستہ اپنا کسی دن تو بدلتا سورج

تشریح: سورج کبھی بھی میرے گھر سے نہیں گزرتا ہے کاش کبھی سورج اپنا راستہ بدلتا اور میرے گھر میں بھی روشنی ہوتی۔

شعر ۲: دن جو نکلا بھی تو چھائے رہے غم کے بادل — دل کی نگری پہ کبھی کھل کے نہ چمکا سورج

تشریح: اگر زندگی میں کبھی اُجالے کی کوئی کرن نکل بھی آئی لیکن مصیبتوں کے بادل اُس پر بھی چھائے رہے جس سے ان خوشیوں کو دل سے منا نہ سکا۔

شعر ۳: قہقہہ زن ہے مری ہار پہ دشمن میرا — پردۂ شب سے پھر ایک بار نکل آ سورج

تشریح: میری بد قسمتی پر میرا دشمن مجھ پر مذاق اُڑا رہا ہے۔ اے میری قسمت کے سورج تم سیاہ رات کے اندھیرے سے نکل کر پھر میری قسمت کو چمکا ڈال تا کہ دشمن کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

شعر ۴: اک طرف رات کے شیدا مہ و انجم کتنے — اک طرف دن کا پرستار اکیلا سورج

تشریح: رات کو چاہنے والے اگر بہت سارے تارے اور چاند ہے لیکن ان پر دن کا چاہنے والا ایک ہی سورج بھاری ہے۔

شعر ۵: غیر ممکن ہے شبِ غم کی سحر اے عابدؔ — کس نے مغرب سے نکلتے ہوئے سورج کو دیکھا

تشریح: میری مصیبتوں کی رات کی صبح اتنی ہے ناممکن ہے جتنا مغرب کا سورج سے نکلنا ناممکن ہے۔

سوالات:

سوال:۔ شاعر اپنے آپ کو خود سے نا آشنا کب پاتا ہے؟

جواب:۔ شاعر جب خود کو باطن یعنی دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی نا آشنا ہے۔

سوال:۔ شاعر دوست سوال لے کر کہاں جاتا ہے؟

جواب:۔ شاعر دست سوال لے کر محبوب کے در پہ جاتا ہیں لیکن یہ وہ در ہیں جہاں سے آج تک ہر کوئی خالی ہاتھ لوٹا ہیں۔

سوال:۔ شاعر اپنی تباہیوں پر خوش کیوں ہورہا ہے؟

جواب:۔ شاعر اپنے آپ کو ایک سیدھا سادھا آدمی سمجھتا ہیں اس لئے اپنی تباہیوں پر خوش ہے۔

سوال:۔ مہ وانجم کس کے شیدائی ہیں؟

جواب:۔ مہ وانجم یعنی چاند اور تارے رات کے شیدائی ہیں۔

پرتپال سنگھ بیتابؔ

پرتپال سنگھ نام، بیتابؔ تخلص 26 جولائی 1949ء کو کھڑی دھرم شال پونچھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سردار پریم سنگھ۔ اگرچہ ابتدائی تعلیم کے لئے گورنمنٹ پرائمری سکول پونچھ میں داخل کئے گئے لیکن بہت جلد ان کے گھر والے فیروز پور چلے گئے۔ فیروز پور میں پرتپال کو منوہر لال ہائر سکنڈری سکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں وہ نویں جماعت تک پڑھتے رہے۔ جموں واپس آنے کے بعد رنبیر ہائر سکنڈری سکول سے انٹر میڈیٹ اور جی۔جی۔ایم سائنس کالج جموں سے بی۔ایس۔سی کے امتحانات پاس کئے۔ 1972ء میں جموں یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور پھر 197 ء میں ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا۔

پرتپال سنگھ بیتابؔ بچپن سے ذہین تھے۔ اس لئے انہوں نے تمام امتحانات احسن طریقے سے پاس کئے۔ یہ اُن کی ذہانت کا ہی نتیجہ تھا کہ 1977ء میں انہوں نے کے۔اے۔ایس کا امتحان پاس کیا اور انڈر سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بیتابؔ ترقی کرتے کرتے کمشنر سیکریٹری کے عہدے تک پہنچ گئے اور 2008ء میں ریٹائر ہو گئے۔ بیتابؔ ایک قابل،

محنتی عوام دوست اور ایماندار افسر رہے ہیں۔

بیتاب کو طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری کا شوق تھا لیکن اُن کا یہ شوق اُن کی نوکری کے زمانے میں نکھر آیا۔ 1981ء میں اُن کا پہلا شعری مجموعہ ''پس خیمہ'' شائع ہوا۔ اُس کے بعد سے اب تک بہت سارے مجموعے منظر عام پر ہیں۔ جن میں 'سراب در سراب' ''خود رنگ'' 'موج ریگ' اور 'شہر غزل' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پرتپال سنگھ بیتاب

تشریح غزل نمبر 1

(1) شاعر لوہے اور پتھروں سے بنے مکانوں سے تنگ آکر ایک کھنڈر کا ارمان کرتا ہے۔ اصل میں موجودہ مشینی دور شاعر کو پسند نہیں ہے۔ وہ اس دور میں اپنے آپ کو بے گھر سمجھتا ہے اور ٹوٹے مکان کی آرزو کرتا ہے۔

(2) شاعر موجودہ دور کی بے یقینی اور بے اطمینانی کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر میں راستے پر چل رہا ہوں تو اطمینان کرادو کہ یہ راستہ ہے اور صحیح راستہ ہے۔ اگر میری کوئی سمت ہی نہیں تو سفر کے لئے کوئی راستہ دے دو۔

(3) میں قد کی اونچائی نہیں چاہتا، بے شک میری تمنا ہے کہ میری ہر ٹہنی پھل پیدا کردے۔ بے ثمر اونچا قد میرے کام کا نہیں ہے۔

(4) مشہور بُت گر آزر بڑا فنکار تھا، وہ پتھروں سے بُت تراشتا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے پتھر ہی پتھر ملے ہیں مگر آزری نہیں ملا ہے، میرے ہاتھوں کو آزر کا ہنر دیجیے۔

(ایک قسم کا دریائی مخلوق)

(5) سیپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سمندر میں اُس کے اندر پانی کا قطرہ چلا جاتا ہے اور وہ قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ بیتاب کہتا ہے کہ میری رگ رگ بے قرار ہے اور نظر منتظر، اے اللہ مجھے سیپ تو بنادیا اب مجھے موتی بنادے۔

تشریح غزل نمبر 2

(1) یہ شعر دُنیا کی بے کرانی اور ویرانی بیان کرتا ہے۔ یہ دُنیا میرے لئے صحرا کی طرح ہے۔ صحرا میں صرف ریت ہی ہوتی ہے، یہاں میرے لئے دلچسپی کا سامان ہی نہیں۔

(2) مکانوں کے دروازے کھول کر دیکھ ہر مکان میں لامکانی ہی لامکانی ہے۔ مکانوں میں رہنے والے بھی لامکانی ہیں۔ لامکان ایسی جگہ ہے جہاں مکانیت کی تخصیص نہ ہو۔

(3) یہاں اتنی بھیڑ ہے کہ کوئی کسی کو راستہ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ اصل میں یہ شعر موجودہ زمانے کی نئی قدروں کو بیان کرتا ہے جو سب کی سب منفی قدریں ہیں۔ ہر جگہ بھیڑ لگی رہتی ہے، آدمی کو اطمینان نہیں، ضرورت کی چیزوں پر جھپٹ پڑتا ہے، کسی کو کسی کا خیال نہیں رہتا ہے۔

(4) اپنے قدموں کے نشان بھی غائب ہیں، اصل میں یہ دُنیا نشانیاں بھی مٹاتی ہے، کتنے آئے اور مر گئے، تھوڑی مدت کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اُن کے کارنامے اور نام ونشان باقی نہیں رہتے۔ یہاں صرف بے نشانی ہے۔

(5) یہ دُنیا ہر طرف رواں دواں ہے، مگر اے بیتاب میں رُکا رُکا سا ہوں۔ یعنی کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے دُنیا کا کاروبار رُک نہیں جاتا۔

نظم "کشمیر" کی تشریح

بند۔(1) اس نظم میں شاعر کشمیر کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت پہاڑوں پر پھولوں کی خوشبو کا بکھرنا، آسمان پر صبح کی لالی کا پھیلانا، پہاڑی پر گلِ لالہ کا خوشبو بکھیرنا، جھاڑیوں کی پناہ لے کر چڑیوں کا گیت گانا اور آسمان پر بادل کے ٹکڑوں کا مجنوں کی طرح جھومنا کشمیر کی خوب صورتی کی نمائندگی کرتا ہے۔ شاعر منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر پھول جب دھیمی ہوا سے ہلتا ہے کہ کوئی پری اپنے ناز و انداز دکھا رہی ہو۔

بند۔(2) شاعر فرماتے ہیں کہ پہاڑ کے چشمے کے کنارے وہ پہاڑی پرندے، وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ موتی برسانے والے بادلوں کی مہربانیاں، وہ خوب صورت پھل اور وہ سرسبز و شاداب باغ جن کی صحت بخش تاثیر سے سالہا سال کا بیمار ایک دم صحت مند ہو جاتے ہیں، یہ تمام نعمتیں کشمیر کے حصّے میں آتی ہیں۔ کشمیر ایک ایسے خوب صورت باغ کی مانند ہے جو بقول شاعر جنّت کے باغ کو بھی شرمندہ کر دیتا ہے۔ خدا بھی اس چمن کو بنا کر اس پر فخر کرتا ہے۔

بند(3) شاعر فرماتے ہیں کہ مجھے اس باغ سے جدا ہوئے مدّت گزری ہے لیکن اس کی محبت جو دل میں ہے، اس کا افسانہ تازہ ہے۔ اسی زمین کی مٹی سے عالم اور دانا لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کی بڑائی کا لوہا دنیا نے مانا ہے۔ ان بزرگ لوگوں کا جسم اس پاک سرزمین کا حصہ بن کر رہ گیا ہے جن کا خون ہماری رگ رگ میں دوڑتا ہے۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
جنبش	حرکت، ہلنا، گردش	گہربار	موتی برسانے والا
کرم ابر	مہربان بادل	سر سبز چمن زار	سرسبز شاداب باغ

(7) نظم "کشمیر" کے سوالات :-

سوال (1): شاعر نے اس نظم میں کشمیر کی صبح کا منظر کس طرح پیش کیا ہے
جواب: شاعر نے اس نظم میں صبح کا منظر نہایت ہی خوبصورتی سے بیان کیا ہے شاعر لکھتے ہیں کہ کشمیر میں صبح بہاڑوں پر پھول اپنی خوشبو لے کر آتے ہیں۔ چڑیاں جھاڑیوں میں میٹھے گیت گاتی ہیں۔ آسمان پر ایسی لالی چھا جاتی ہے جیسے کسی پہاڑ پر گل لالہ چمکتا ہو۔ شاعر منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر پھول جب دھیمی ہوا سے ہلتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی پری اپنے ناز و انداز دکھا رہی ہو۔

سوال (2):- شاعر کو کس چھوٹے ہوئے باغ کی یاد آتی ہے؟
جواب:- شاعر کو چھوٹے ہوئے کشمیر کی یاد آتی ہے۔

سوال (3):- کشمیر کی خاک سے کون کون سے "عالم و دانا" اٹھتے ہیں؟
جواب:- کشمیر کی خاک سے بہت سے عالم و دانا پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں ان میں پانچ کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-
(1) شیخ نورالدین ولیؒ (2) لل دیدؒ (3) حبّہ خاتون
(4) عبدالغنی کاشمیری (5) مولانا انور شاہ کاشمیری
(6) مہجور (7) وہاب صاحب (8) سوچھ کرال

سوال نمبر ۴:-
جواب:- اشعار کی تشریح۔

سوال نمبر ۵:- نظم "کشمیر" کا خلاصہ لکھیے۔

نظم "پری محل" تشریح (1)

بند(۱) :- اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ کشمیر کی وادی کا موسم بہار یاد آتا ہے جب پانی کی لہروں کا ناچ اور نغمہ دیوانوں کی کیفیت پیدا کر دیتا تھا اور جب دامن میں مستی لئے پاکیزگی اور نشہ برسانے والے بادل، نئی دُلہن (وادی کشمیر) کی سجاوٹ میں مشغول تھے اور جب پھولوں کے قہقہے موسم میں رنگ بھرتے تھے اور ہر طرف بلبلوں کی چہچہاہٹ صبح کا پیغام دیتی تھی۔

بند(۲) :- اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ بہار کے موسم میں پہاڑ کا دامن گویا خدا کے نور کا آئینہ تھا یعنی خدا کے نور کو منعکس کرتا تھا، جس کو دیکھ کر دل کے خوبصورت کنول کھل اُٹھتے تھے۔ اس منظر نے میرے دل میں ایک اضطراب پیدا کیا اور مجھے پری محل لے گیا۔ وہاں عیش و عشرت کا سماں گویا نشہ پیدا کرتا تھا لیکن دروازے کا پردہ یہ نظارہ کرنے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔

بند(۳) :- اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ میرے دیکھنے کے شوق نے تین سو سال پہلے لٹکائے گئے اس بھاری پردے کے کونے کو ہٹا دیا۔ اگر چہ وہاں اندھیرا دکھائی دیا لیکن میرے شوقِ دید میں جو شدّت تھی اس نے ایک چمکتے سورج کا کام کیا۔ میں نے دیکھا کہ پردے کے پیچھے ایک شاندار اور پُر وقار محل ہے۔

بند(۴) :- شاعر فرماتے ہیں کہ سبز لباس پہنے ہوئے پُر رونق پہاڑ پر سنہری محل روشنی پھیلاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوہِ طور پر بجلی چمک رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی رنگین تتلی سبز جھاڑی میں بیٹھی ہوئی ہے۔ یا قیمتی پتھروں سے بھرے ایک باغ میں ایک پری ناچ رہی ہے۔ یہ سماں ایسا ہے کہ حسن کی سرزمین پر جیسے چاند اُتر آیا ہے یا حسن کے ماتھے پر ایک رنگین تلک لگایا گیا ہو۔

بند(۵) :- شاعر فرماتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ پاکیزہ شراب کے بادل یہاں
چھلکتے ہیں، کلیاں چٹکتی ہیں اور بلبل چہکتے ہیں۔ ہوا کے دھیمے
دھیمے اور عطر بکھیرنے والے جھونکے یہاں ناز کرتے ہوئے ناچتے
ہیں اور فرشتے سرور میں آکر جھومتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔
یہ ایک شاعر کے ذہن کی کھینچی ہوئی تصویر ہے یا پھر خوبصورت
پریوں کے دلکش خواب کی تعبیر ہے۔

بند(۶) :- اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ اس پھولوں بھرے چمن کی
شام اور لاجواب ہے یعنی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ جیسے ~~اس~~
~~بند میں شاعر~~ جنت کے باغ کا ایک نکھرا ہوا گلاب ہو۔ یا
جنت کی کسی دوشیزہ یا جوان حسینہ کی جوانی کا جوش ہو۔
ہر قدم پر یہاں رنگ اور خوشبو کا انتظام ہے اور ہر ایک نئے
کھلے ہوئے پودے کے ہاتھوں میں جیسے رنگ اور خوشبو کا
جام ہو۔

نظم "قبر" کی تشریح (1)

(1) — عجم کے شہروں میں اک شہر کا ہے یہ قصّہ
یہ رفت ....
بھنور میں ....

نظم "قبر" کی ان مصرعوں میں شاعر فرماتے ہیں کہ جو کہانی بیان کی جا رہی ہے۔ یہ ایران کے ایک شہر کا قصّہ ہے۔ یہ کہانی اس دنیا میں آنے اور جانے (حیات اور موت) کے سلسلے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ پھر یہ سلسلہ ایک ایسا بھنور ہے جس میں ہر ایک زندہ چیز ڈوب کر غائب ہو جاتی ہے۔

(2) — سنا ہے اس میں ....
پھنسا کچھ ....

شاعر کہتے ہیں کہ ایران کے کسی قصبے کا کوئی بڑا رئیس موت کے پھیلائے ہوئے اس جال میں ایسا پھنسا کہ اس کی کوئی ترکیب کام نہ آئی۔

(3) — ہر ایک ....
وہ سب جو قبضہ

شاعر فرماتے ہیں کہ اس رئیس نے ہر ایک طریقہ آزمایا یعنی ہر دوا، ہر علاج اور جو کچھ انسان کے بس میں تھا وہ سب کیا

(4) — کیا تمام مسیحا ....
طلب کیے گئے سب ....

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں تمام طبیب اور حکیم چاہیے وہ دور کے تھے یا نزدیک کے، سبھی کو علاج کی خاطر بلایا اور انہیں کافی دھن دولت سے نوازا۔ یعنی پیسے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، کافی علاج معالجے کا انتظام کیا۔

(5) مگر خدا ......

اجل نے ......

شاعر فرماتے ہیں کہ آخرکار وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا اور موت نے بیٹے سے اُس کا پیارا باپ چھین لیا۔

6) — خبر یہ پھیل ......

ہر ایک ......

بستر ......

دیئے گئے مصرعوں میں شاعر فرماتے ہیں کہ رئیس کے مرنے کی خبر دور اور نزدیک ہر جگہ پھیل گئی اور جو آدمی اس خبر کو سن لیتا تھا وہ روتا ہی رہتا تھا۔ اور ہر ایک کے دل پر ان کے ماتم کرنے کا شدید اثر ہوا۔

(7) — وہ سینہ ......

— چلے ہو ......

— جہاں ......

— اندھیری ......

شاعر فرماتے ہیں کہ اُس رئیس کا بیٹا سینہ پیٹ پیٹ کے بار بار کہتا تھا کہ اے میرے پیارے والد آپ مجھے چھوڑ کر ایسی جگہ روانہ ہو رہے ہو جہاں نہ کوئی دوست ہوگا، نہ کوئی پیارا ساتھی ہوگا اور نہ کوئی ہمدرد ہوگا۔ وہاں ایک اندھیری کوٹھری ہوگی اور اس کوٹھری میں اکیلے ہی رہنا ہوگا۔

(8) نہ کھانا پانی ......

وہاں پہ ......

شاعر بیٹے کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ جس جگہ والد صاحب کو رہنا ہوگا وہاں نہ تو کھانے کو کچھ ملے گا، نہ پینے کو اور وہاں روشنی کا بھی کوئی انتظام نہیں ہوگا بالکل اندھیرا ہوگا۔ اور وہاں پہ جو بھی گزرے

دے گی، جیسا بھی حال ہوگا، وہ تنہا خود ہی برداشت کرنا پڑے گا۔

(۹) — ہر ایک چیز کو ......

کوئی مدد کو نہ آئے گا......

بیٹا باپ سے کہتا ہے کہ جہاں آپ کو دینا ہے وہاں ہر ایک چیز کے لئے ترسنا ہی ہوگا اور وہ دنیا ایسی ہے کہ کوئی بھی وہاں مدد کرنے نہیں آئے گا۔

(۱۰) — غریب بھی کوئی ......

اور اپنے نور ......

شاعر کہتے ہیں کہ اس جنازے میں کوئی غریب شخص بھی شامل تھا اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لایا تھا۔

(۱۱) — سنی جو آہ و بکا ......

پلٹ کے باپ ......

ہمارے گھر لئے جاتے ......

شاعر ان مصرعوں میں فرماتے ہیں کہ مفلس شخص کے بیٹے نے جو آہ و زاری اور فریاد سنی تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس لیے اس بچے نے اپنے باپ سے بہت ہی معصومیت سے پوچھا کہ بابا کیا انہیں ہمارے گھر لئے جا رہے ہیں گویا مفلس شخص کے بیٹے کو قبر کی کھینچی ہوئی تصویر اپنے گھر کی جیسی لگی۔

نظم "قبر"

سوالات کے جوابات!

1)۔ شاعر نے رئیس کے بیٹے کی زبانی قبر کی زندگی کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ وہاں نہ کوئی دوست نہ ہمدم اور نہ ہی کوئی پیار کرنے والا ہے۔ ایک اندھیری کوٹھڑی ہے جس میں نہ کھانا، نہ پانی اور نہ ہی روشنی ہے۔ وہاں جو کچھ بھی ہوگا انسان کو اپنے لئے ہی سہنا پڑے گا اور کوئی اس کی مدد کو نہیں آئے گا۔

2) ۔ قبر کی باتیں سن کر غریب کے بچے کو اس لئے اپنا گھر یاد آیا کہ قبر کے حالات اور اس کے گھر کے حالات بہت مشابہت رکھتے تھے

(ج) ۔ یہ نظم ایک طنزیہ نظم ہے لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ اس کا طنزیہ پہلو بالکل آخر میں ظاہر ہوتا ہیں آخری مصرعہ کو نکال دیا جائے تو نظم کا طنزیہ پہلو ختم ہو جائے گا اور نظم ایک قصہ کا بیان لگنے لگے گی۔

د ۔ نظم معرا سے کیا مراد ہے؟

جواب!۔ ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو نظم معرا کہلاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے نظم عاری بھی کہا ہے۔